نام و پتہ ابراہیم جالنوی

NP.6/12 رنچھوڑ روڈ . جونا مارکیٹ

کراچی

پتھر کی زبان

(نظمیں)

فہمیدہ ریاض

انداز پبلیکیشنز لاہور

پنجاب بک ہاؤس
فون نمبر ۲۱۲۴۴۵
اردو بازار کراچی

پتھر کی زبان

فہمیدہ ریاض

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
ACC. No. 026579
★ MAILSI ★

ڈیزائن ——— احمد ظہوئے
اشاعت ——— دوم
تعداد ——— ایک ہزار
تاریخِ اشاعت ——— اگست ۱۹۷۵ء
پریس ——— نقوش پریس لاہور
قیمت ——— ۹ روپے

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

فوزیہ رفیق کے نام!

ناشر

اندازے پبلیکیشنز

۳۲ - ای - مین گلبرگ - لاہور

فوزیہ رفیق کے نام!

فہرس

۱- پیش لفظ ، ۱۱
۲- پتھر کی زبان ، ۱۳
۳- سچ ، ۱۵
۴- ذرا سی بات ، ۱۶
۵- جھجک ، ۱۷
۶- ایک رات کی کہانی ، ۱۸
۷- سوچ ، ۲۳
۸- مری چنبیلی کی نرم خوشبو، ۲۵
۹- اب سو جاؤ ، ۲۷
۱۰- خوشبو، ۲۹
۱۱- پچھتاوا، ۳۲
۱۲- ہا کس بے، ۳۴
۱۳- بارش ، ۳۷
۱۴- یادیں ، ۴۱
۱۵- کبھی کبھی ، ۴۲
۱۶- دل دشمن ، ۴۴
۱۷- اندیشہ ، ۴۸
۱۸- سردیوں کی ایک شام ، ۵۰

۱۹— تمنّا ، ۵۳

۲۰— زادِ راہ ، ۵۶

۲۱— آخری بار ، ۵۸

۲۲— مجبوری ، ۶۱

۲۳— وہ لڑکی ، ۶۳

۲۴— بیت چلی اداس شام ، ۶۵

۲۵— پچھلے پہر تک ، ۶۷

۲۶— بیٹھا ہے میرے سامنے وہ ، ۶۸

۲۷— لوری ، ۷۰

۲۸— گڑیا ، ۷۳

۲۹— لمبے سفر کی منزل ، ۷۵

۳۰— چار سُو ہیں سنّاٹے ، ۷۶

۳۱— جب نیند بھری ہو آنکھوں میں ، ۷۸

۳۲— قطرہ قطرہ ، ۸۰

۳۳— مہمان ، ۸۲

۳۴— کچھ لوگ ، ۸۴

۳۵— دل کی بات ، ۸۷

۳۶— تہنیت ، ۸۸

۳۷— اپنے دوست کے لیے ، ۹۰

۳۸— اُس کا دل تو اچھا دل تھا ، ۹۲

۳۹— مدّت سے ہے یہ عالم دل کا ، ۹۴

۴۰— اِک حرفِ مدّعا ، ۹۶

پیشِ لفظ

آٹھ برس پہلے "پتھر کی زبان" شائع ہوئی تھی۔

آٹھ برس کتنا مختصر عرصہ ہے۔

جیسے ایک بچے کی ننھی سی عمر ——— !

آٹھ برس کتنے طویل ہیں۔

مہینوں، ہفتوں، دن رات کا طویل سفر، گم لذّت ہاسٹل کے تنہا کھواڑے سے خود کلامی سے انجانے دلیسوں میں خود کلامی تک، آرزوؤں کے تجربے بن کر کڑوے پڑ جانے تک، اس کڑواہٹ کے لہو میں گھل جانے تک، اور اس کڑواہٹ کی آشنائی سے مٹھاس کی بے تاب حیرت زدہ جستجو اور کھوج تک، ذائقہ کی گواہی پر مٹھاس کے یقین، یقین کے بھروسے بےیقین کے راستے تک اور امید کی پھوٹتی ہوئی کونپل تک، جس کی جڑیں اس شعور میں ہیں جو لمحہ رِستا رہا۔ ایک لکھنے والی کے لئے بے مربیانہ داد و تحسین اور سرپرستی سے چاروں طرف سے برسنے والی ذلت و رسوائی اور پھٹکار تک ایک حیرت انگیز سفر بھی ہے۔

اب میں "پتھر کی زبان" پر نظر ڈالتی ہوں۔

یہ نظمیں کیا ہیں؟ ادبی شہ پارے؟ یہ سب تو بکواس ہے۔ یہ

ایک متوسط نوجوان لڑکی کی امنگیں ہیں جن میں زندگی کا پیار ہے جو ہر جوان لڑکی کے وجود کی خس میں خوشبو کی طرح بند ہو جاتا ہے اور بارش کے ہلکے سے چھینٹے سے مہک اڑانے لگتا ہے۔

ساتھ ہی اس سوچ پر ہاسٹل کے تنگ و تاریک کمرے کی پرچھائیاں ہیں۔ تنگ دستی کی بھنچی ہوئی مٹھی سے قطرہ قطرہ ٹپکتی ہوئی یاسیت ہے۔ مبہم سی ناامیدی ہے۔

آٹھ برس گذر گئے اور ایک نئی نسل جوان ہو گئی۔

اب بھی حیدرآباد میں نوجوان لڑکیاں چھوٹے چھوٹے گھروں میں رہتی۔ کالجوں میں پڑھتی، شعر لکھتی ہیں۔

یہ ایک بہتر نسل ہے۔ زیادہ باشعور، اور زیادہ بہادر۔

آٹھ برسوں کا طوفانی پانی ان کے سروں پر سے بڑے تتراٹے کے ساتھ بہتا ہوا گزرا ہے۔

ان کی زبان "پتھر کی زبان" نہیں ہو گی۔ "پتھر کی زبان" سے بہتر ہو گی۔ یہ پتھر اب سرمائے گا۔ آٹھ برس بعد اس کتاب کی دوبارہ اشاعت ان کے ہی لئے گذرے برسوں کی ایک نشانی ہے۔

فہمیدہ ریاض

۹ر جون ۱۹۷۵ء

کراچی

پتّھر کی زبان

اسی اکیلے پہاڑ پر تُو مجھے ملا تھا
یہی بلندی ہے وصل تیرا
یہی ہے پتّھر مری وفا کا
اُجاڑ، چٹیل، اداس، ویراں
مگر میں صدیوں سے، اس سے لپٹی ہوئی کھڑی ہوں
پھٹی ہوئی اوڑھنی میں سانسیں تری سمیٹے
ہوا کے وحشی بہاؤ پر اُڑ رہا ہے دامن
سنبھالا لیتی ہوں پتّھروں کو گلے لگا کر

نکیلے پتھر

جو وقت کے ساتھ میرے سینے میں اتنے گہرے اُتر گئے ہیں
کہ میرے بہتے لہو سے سب آس پاس رنگین ہو گیا ہے
مگر میں صدیوں سے اس سے لپٹی ہوئی کھڑی ہوں
اور ایک اونچی اڑان والے پرند کے ہاتھ
تجھ کو پیغام بھیجتی ہوں
تو آکے دیکھے
تو کتنا خوش ہو
کہ سنگریزے تمام یاقوت بن گئے ہیں
دمک رہے ہیں
گلاب، پتھر سے اُگ رہا ہے!

سچ

سچائی، اُلفت، خودداری
مٹّی کے کمزور کھلونے
پل بھر میں جاتے ہیں ٹوٹ
پھر بھی دنیا کتنی حسیں ہے!
ایسی مقدّس — جیسے مریم!
ایسی اجُلی — جیسے جھُوٹ!

ذرا سی بات

پل، دو پل کو، اک محفل میں ملے تھے، گئی بہار
اِدھر اُدھر کی سُنی سُنائی باتیں کیں دو چار
انھوں نے شاید دیکھا بھی تھا میری طرف، اک بار

جھجک

یہ مری سوچ کی آن جان، کنواری لڑکی
غیر کے سامنے کچھ کہنے سے شرماتی ہے
اپنی مبہم سی عبارت کے دوپٹے میں چھپی
سر جھکائے ہوئے کترا کے نکل جاتی ہے

ایک رات کی کہانی

بڑی سہانی سی رات تھی وہ
ہوا میں اَن جانی کھوئی مہک رچی تھی
بہار کی خوشگوار حدت سے رات گلنار ہو رہی تھی
رو پہلے سپنے سے، آسماں پر سحاب بن کر بکھر گئے تھے
اور ایسی اک رات
ایک آنگن میں کوئی لڑکی کھڑی ہوئی تھی
خموش ——— تنہا ———!

وہ اپنی نازک، حسیں سوچوں کے شہر میں کھو کے رہ گئی تھی
دھنک کے سب رنگ اس کی آنکھوں میں بھر گئے تھے
وہ ایسی ہی رات تھی کہ راہوں میں اس کی، موتی بکھر گئے تھے
ہزار اچھوتے، کنوارے سپنے
نظر میں اس کی، چمک رہے تھے
شریر سی رات اس کو چپکے سے وہ کہانی سنا رہی تھی
کہ آج
وہ اپنی چوڑیوں کی کھنک سے شرمائی جا رہی تھی

احتراز

آج کی رات کے دامن میں ہیں کیا کیا جادو

خواب آلود فضاؤں میں یہ سوئے ہوئے گیت
آپ کے قرب کے احساس کی یہ نرم سی آنچ
کسی اَن جان سی خواہش سے سُلگتا ہوا چاند
کچھ جھجکتی ہوئی، شرماتی ہوئی سرد ہوا
(یہ مری سوچ کا الجھا ہوا ریشم ڈورا!)
نشے میں جھومتی شب کی طلب انگیز مہک
دھڑکنوں کو مری، بیدار کیے دیتی ہے
(دھڑکنیں، جن کا نہ حاصل ہے، نہ مفہوم کوئی)

اجنبی! آپ مجھے آنکھ جھپک لینے دیں

راتت کی سانس میں جذبات گھُلے جاتے ہیں
میری چوری کو مگر گھور رہی ہیں ہر سمت
دُور تک، روشنیاں — رات کی باہوں میں اسیر
شہر کی سخت وسیہ، سوچتی، گونگی سڑکیں
ایسے جامد ہیں کہ جیسے مری قسمت کی لکیر

میں نے مانا کہ مجھے آپ کچھ اپنے سے لگے
آپ کے گیتوں میں، اپنی مجھے آواز آئی
آپ کے حسنِ تخیّل میں کھِلے ہیں وہ پھُول
جن کی خوشبُو سے معطّر ہے مری تنہائی

پھر بھی، سوچیں تو، مجھے آپ سے نسبت کیا ہے!
کچے دھاگے کا یہ بے نام سا اک رشتہ ہے
یہ فسوں کار و جواں رات، فقط دھوکا ہے
صبح اک ایسی حقیقت ہے، نہیں جس سے گریز
کون اس رات کے دامن کو جکڑ سکتا ہے!

لاکھ چاہیں بھی، پہ یہ رات گزر جائے گی
اور پھر میری تمنّا کی یہ نورستہ کلی
اس حقیقت کی کڑی دھوپ نہ سہ پائے گی

جھلملاتے ہیں جو احساس میں ننھے جگنو
وقت کی آنکھ میں رہ جائیں گے بن کر آنسو
رات کی رات ہیں یہ رات کے سارے جادو

سوچ

رات اک رنگ ہے، اک راگ ہے اک خوشبو ہے

مہرباں رات مرے پاس چلی آئے گی
رات کا نرم تنفّس مجھے چھو جائے گا
دودھیا پھول چنبیلی کے مہک اُٹھیں گے
رات کے ساتھ مرا غم بھی چلا آئے گا

اب مرے خانۂ دل میں بھی چراغاں ہوگا

یونہی ہر شب جو پگھلتی ہے سیاہی شب کی
اک لرزتا ہُوا سایہ سا چلا آتا ہے
جس کے سینے میں دھڑکتا ہے طلائی مہتاب
رات کے پیار میں گُم ذہن اگر یہ پُوچھے
"کون ہو تم، مرے مہمان، اندھیرے میں چھُپے؟"
—چار اطراف بکھرتے ہُوئے سناٹے میں
میرے اذکار یونہی گونج کے رہ جاتے ہیں
ایسا لگتا ہے، نہیں اور کوئی بھی موجود
بلکہ اس رات میں گھُل جاتا ہے خود میرا وجود

مری چنبیلی کی نرم خوشبو

مری چنبیلی کی نرم خوشبو
ہوا کے دھارے پہ بہہ رہی ہے
ہوا کے ہاتھوں میں کھیلتی ہے
ترا بدن ڈھونڈنے چلی ہے

مری چنبیلی کی نرم خوشبو
مجھے تو زنجیر کر چکی ہے
الجھ گئی ہے کلائیوں میں
مرے گلے سے لپٹ گئی ہے
وہ رات کی کہر میں چھپی ہے
سیاہ خنکی میں رچ رہی ہے
گھنیرے پتوں میں سرسراتی
ترا بدن ڈھونڈنے چلی ہے

اب سو جاؤ

اب سو جاؤ ——
اور اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ میں رہنے دو
تم چاند سے ماتھے والے ہو
اور اچھی قسمت رکھتے ہو
بچے کی سی بھولی صورت
اب تک ضد کرنے کی عادت
کچھ کھوئی کھوئی سی باتیں
کچھ سینے میں چبھتی یادیں
اب انھیں بھلا دو —— سو جاؤ
اور اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ میں رہنے دو۔

سو جاؤ ــــ تم شہزادے ہو
اور کتنے ڈھیروں پیارے ہو
اچھا تو کوئی اور بھی تھی ؟
اچھا، پھر بات کہاں نکلی ؟
کچھ اور بھی یادیں بچپن کی
کچھ اپنے گھر کے آنگن کی
سب بتلا دو ــــ پھر سو جاؤ
اور اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ میں رہنے دو
یہ ٹھنڈی سانس ہواؤں کی
یہ جھلمل کرتی خاموشی
یہ ڈھلتی رات ستاروں کی
بیتے نہ کبھی ــــ تم سو جاؤ
اور اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ میں رہنے دو

خوشبو

رِم جھم بوندیں، بے کل خواہش
ساون رُت چھائی ہے ہر سُو
آم کے پیڑوں سے آتی ہے
کوئل کی آوارہ کُو کُو

غم، دھرتی کی سوندھی خوشبو
سوئی یادوں کو سہلائے
بیتی برساتوں کی گھاتیں
کھوٹے کھوئے چھنکے گھنگرو

لہر لہر بے چین ہے ساگر
ساحل پیاسا ذرّہ ذرّہ
دیکھ کے بڑھتے ہاتھ تمھارے
لہرا اُٹھے رُخ پر گیسُو!

گھونگھٹ میں تڑپی چنگاری
بھٹکی باتیں، بہکی دھڑکن
سرگوشی میں اُلجھی سِسکی
ڈھلک گئے شانے پر آنسُو

کانچ کی چوڑی کے ٹکڑوں سے
دھیان میں بیٹھی کھیل رہی تھی
سمٹی سُن کہ نام تمھارا
آئی گرم، حنا کی خوشبُو

کہیں ستھرا وصل نہ دمکے
ٹوہ میں رہتی ہے سب دُنیا
بول نہ اُٹھے دشمن گھنگرو
بارت کھُلے گی، مجھ کو مت چھو

پچھتاوا

خدائے ہر دو جہاں نے جب آدمی کو پہلے پہل سزا دی
بہشت سے جب اسے نکالا
تو اس کو بخشا گیا یہ ساتھی
یہ ایسا ساتھی ہے جو ہمیشہ ہی آدمی کے قریں رہا ہے
تمام ادوار چھان ڈالو
روائتوں میں، حکایتوں میں
ازل سے تاریخ کہہ رہی ہے
کہ آدمی کی جبیں ہمیشہ ندامتوں سے عرق رہی ہے

وہ وقت جب سے کہ آدمی نے
خدا کی جنت میں شجرِ ممنوعہ چکھ لیا
اور
سرکشی کی
تبھی سے اس پھل کا یہ کسیلا سا ذائقہ
آدمی کے کام و دہن میں ہر پھر کے آرہا ہے

— مگر ندامت کے تلخ سے ذائقے سے پہلے
گناہ کی بے پناہ لذّت!!

ہاکس بے[1]

لہروں کی آوازیں سُنتا
وہ چپ چاپ چلا جاتا ہے
اُٹھتی گرتی آوازوں سے
بھُورا ساحل گونج رہا ہے

چاندی جیسا جھاگ اڑاتی
بے کل لہریں ڈول رہی ہیں

[1] HAWKS BAY ساحل کراچی کا ایک دلفریب مقام

ٹھنڈے اور گیلے ساحل پر
اس کے آہستہ قدموں کے
ایسے نقش اُبھر آئے ہیں
جیسے اس کے لمس کے نیچے
نرم اور بات سمجھنے والی
ریت نے کہنا مان لیا ہے

ننھے ننھے، پیارے پیارے
نیلے اور گلابی پتھر
ریت کے اندر جھلک رہے ہیں

سرد ہوا کا بھاری جھونکا
جو اس کا بچھڑا ساتھی ہے

پیار سے آ کر گلے لگا ہے

اس کے ہاتھے اور گردن پر
ریت کے ذرّے لگے ہوئے ہیں

بارش

جب بھی میرے آنگن میں
بوندیاں برستی ہیں
بند کر کے دروازے
بیٹھتی ہوں کمرے میں
جانتی ہوں یہ بوندیں
چاہتی ہیں جو مجھ سے
چھت پہ وہ کریں ٹپ ٹپ
کھڑکیوں پہ ہو رم جھم
مجھ کو چھیڑنے کو یہ

کیسے رُوپ بھرتی ہیں
یا تو یوں ٹپکتی ہیں
ہر طرف گریں جیسے
آنسوؤں کے قطرے سے
اور کبھی دریچے پر
کھلکھلا کے ہنستی ہیں
ڈولتی ہواؤں میں
سنسنانے لگتی ہیں
ناچتی ہیں پتّوں پر
ڈال سے پھسلتی ہیں
کھڑکیوں کے شیشوں پر
جھانجھنیں بجاتی ہیں
پتھروں پہ گاتی ہیں

دھیرے دھیرے سب دھرتی
سانس لینے لگتی ہے
ہر نفس مہکتا ہے

بند کرکے دروازے
بیٹھتی ہوں کمرے میں
پھر بھی ہاتھ بارش کے
مجھ کو ڈھونڈھ لیتے ہیں
میرے روئیں روئیں کو
چھو کے چھوڑ جاتے ہیں
ایک لرزشِ پیہم
اب کہاں چھپوں جاکر
جانتی ہوں یہ بوندیں

میرے دل پہ برسیں گی
میری کچی مٹی کو
چوم کر جگا دیں گی
اس کی سوندھی خوشبو پھر
میں کہاں چھپاؤں گی
لوگ ٹھیک کہتے ہیں
دو ہی ایسی چیزیں ہیں
جو کبھی نہیں چھپتیں
ان میں ایک خوشبو ہے

یادیں

کچھ لمحے، جو جی اُٹھے تھے کبھی
جو دل کی طرح دھڑکے تھے کبھی
کچھ لمحے !— (جو اَب مر بھی چکے)
ان مردہ لمحوں کی روحیں
احساس کے ویراں کھنڈروں میں
بے چین بھٹکتی پھرتی ہیں

کبھی کبھی

اصولِ زندگی ہے یہ، حیات ہے تو آس ہے

دبیز ہوں سیاہیاں تو پھوٹے صبح کی کرن
چلی ہے جب بھی بادِ نامراد، جل اُٹھے چمن
سُلگ کے اس تپش سے، اور بھی چمک اُٹھی لگن

وہ شوق کی خلش، کہیں جو دل کے آس پاس ہے

فراق، شدتِ جنوں بھلا گھٹا سکا ہے کب
صعوبتوں کا سلسلہ بنا ہے جہد کا سبب
مہک اُٹھے ہیں حسرتوں کے پھول، بڑھ گئی طلب

مرے چراغِ شوق کو ہوائے تند راس ہے

جو عزم ہے، امنگ ہے، تو ہم مراد پائیں گے
جو اشک میں لہو کا رنگ ہے، تو گل کھلائیں گے
کبھی تو اے خدا — کبھی تو ہم بھی مسکرائیں گے

اسی یقین پہ مری امید کی اساس ہے
مگر میں کیا کروں، کہ آج دل بہت اُداس ہے

دل! دشمن

عاقلوں نے فرمایا:

"— دل کی بات پاگل پن
جوشِ شوق دو اک دن
حسن و عشق کم مایہ
آب و گل کی دُنیا میں
سنگ جیسے دل کر لو
خواب دیکھنے چھوڑو

پھر بھی کیا کرے کوئی
دل میں ہوک جب اُٹھے
یہ صدا نکلتی ہے
"ایک بار مل جائے!
ہاتھ تھام لے آکر —
صرف ایک لمحے کو،
کیسی ہو گی وہ ٹھنڈک!
میرے پیاسے ہاتھوں پر
اس کے لمس کی شبنم
سارا درد دُھل جائے
یہ جو جاں سُلگتی ہے
اس کو چین آجائے
دل کے زخم کچے ہیں

(دل! سدا کا ضدی دل)

—پھر بھی ٹھان لیتے ہیں
عاقلوں کی مانیں گے
یہ فضول سی باتیں
اب کبھی نہ سوچیں گے
(دل بھی کیسا دشمن ہے)
بس اسی ارادے سے
درد کو دباتے ہیں
دل تو پھر بھی دُکھتا ہے
نیند بھی نہیں آتی
بن گئی چلن ایسی
زندگی کی ویرانی
سونی سونی تنہائی

کروٹیں بدلتے ہیں
عاقلوں کے کہنے سے
درد بھی دبالیں گے
زخم بھی چھپالیں گے
ہونٹ بھینچ کر اپنے
روکتے ہیں جب آنسو
آنکھ میں کھٹکتے ہیں

اندیشہ

ہاتھ میں بیتی بات کی لرزش
لاکھ بچاؤں، کھنکے برتن
گھٹی گھٹی مجبوری میری
سب کے طعنے، دل کی کھولن
امیدوں کی راکھ میں دہکیں
جلتی حسرت کے انگارے
رُخ پر ڈھلکے عرقِ ندامت
کہنا چاہوں، چپ رہ جاؤں

ہائے اس کی کھوئی محبت
گال پہ کاجل پھیلا پھیلا
محرومی سے اُجڑی صورت
رسوائی سے آنچل میلا
چپکے چپکے آنسو پونچھوں
نہیں نہیں، میں روتی کب ہوں
اس کا مجھ کو دھیان کہاں ہے
مجھ پر تم انگلی نہ اُٹھاؤ
یہ گیلی لکڑی کا دھواں ہے

سردیوں کی ایک شام

اک پیڑ کی اوٹ سے نکل کر
ڈوبا سرما کا زرد سورج
مٹیالے بادلوں کے پیچھے
چپ چاپ اُفق سلگ رہا ہے
آوارہ ہوا کا سرد جھونکا
بھٹکی سرگوشیاں سُنا کر،
سوکھے پتّوں سے کھیلتا ہے

خوشبو میں گھلی گھلی اداسی
ہر چیز کا رنگ سوچتا ہے
تنہائی کی شام جا رہی ہے
سینے کا بوجھ بڑھ رہا ہے
بیتی باتوں کی یاد بن کر،
پہلا تارا لرز رہا ہے
جیسے مرے آس پاس کوئی
چھپ کر، ہچکی سے رو رہا ہے
آنسو آنکھوں میں چبھ رہے ہیں
کوئی مرا دل مسل رہا ہے
کچا رشتہ جو تجھ سے ٹوٹا
اب روح کا زخم بن گیا ہے
پتھر بن کے میں سوچتی ہوں

تو میرے لیے نہیں بنا ہے
لیکن دل کی اُداس دھڑکن
چپکے چپکے یہ کہہ رہی ہے
تو میری رگوں میں رچ گیا ہے

تمنّا

مجھے تم سے ملنے کی اُمیّد کب ہے
مآلِ مسرّت کی تاریکیوں میں
نہیں خود فریبی کا کوئی اُجالا

مرا حوصلہ، سر کو زانو پہ رکھے
خجالت سے منہ آستیں میں چھپائے
بڑی دیر سے سسکیاں لے رہا ہے

کبھی آس کی پھانس دل میں چبھی تھی
سو مدّت ہوئی، ٹوٹ کر رہ گئی ہے
مرے دل میں اِک پھُول اُمیّد کا تھا
اسے وقت کے ہاتھ نے نوچ ڈالا

اب اس زخم سے تجربہ رِس رہا ہے
مری رُوح کی چیخ، اُبھرنے سے پہلے
لبوں پر مرے، منجمد ہوگئی ہے
میرے چاروں اطراف غم کا دھواں ہے

مگر ایک شعلہ بھڑکتا ہے دل میں
لپکتی ہوئی جس کی خونیں زبانیں
مری رُوح کو چاٹتی جا رہی ہیں
یہ شعلہ ابھی تک یونہی ضوفشاں ہے

نہ امید کوئی، نہ کوئی سہارا
بغاوت کی ہمّت، نہ کوشش کا یارا
مری بے بسی مجھ پہ ظاہر ہے — لیکن
تمھاری تمنّا! تمھاری تمنّا!

زادِ راہ

طویل رات نے آنکھوں کو کر دیا بے نور
کبھی جو عکسِ سحر تھا، سراب نکلا ہے
سمجھتے آئے تھے جس کو نشانِ منزل کا
فریب خوردہ نگاہوں کا خواب نکلا ہے
تھکن سے چُور ہیں — آگے بڑھیں کہ لَوٹ آئیں

چھپے ہوئے ہیں اندھیروں میں وسوسے کیا کیا
ہر ایک خضر پہ، رہزن کا شک گزرتا ہے
ہر آستین میں خنجر دکھائی دیتا ہے
پرے سرکتا ہی جائے گا کیا سحر کا اُفق؟
ہماری جرأتِ آغاز، بھول تھی شاید!
ہمارے ہاتھ میں امید کا چراغ نہیں
یہ وہ چراغ تھا، جس پر ہمیشہ رکھتے تھے
ہم اپنے سنگ سے، آہن سے عزم کا سایہ
وہی تو تھا دلِ خستہ کا ایک سرمایہ
خلوص اور یقیں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے
لُٹے ہیں ایسے کہ ہم اعتبار کھو بیٹھے

آخری بار

(بطرزِ مثنوی)

ہم جو یوں پھر رہے ہیں گھبرائے
آخری بار ان سے مل آئے

یوں گلے لگ کے ہو لیے رخصت
ان کہی بات کی مٹی حسرت

جو بھی تنہائیوں میں سوچی تھیں
کھُل کے وہ ساری باتیں کہہ ڈالیں

اور جو کہنے سے تھی زباں لاچار
کہہ گئی چور، گرمئ رخسار

ظلمتِ غم میں دل چراغ بنا
لالۂ رُخ پہ اشک داغ بنا
کہہ دیا چپکے چپکے رو رو کے
ہار مانی ہے ہم نے دُنیا سے
سارے دعوے وفا کے ختم ہوئے
ہم نہیں ایک دوسرے کے لیے
گھر کے قصے بیان ہوتے رہے
اپنی مجبوریوں پہ روتے رہے
جان کی دی قسم کہ شاد رہیں
التجا کی کہ بھول جائیں ہمیں
تھام کر ہاتھ، ان سے قول لیا
بیاہ کر لیں گے وہ کہیں اپنا

ملے حسرت سے جوں لبِ افسوس
رہ گئے اپنے اپنے دل کو مسوس
جانتے تھے کہ اب نہ دیکھیں گے
یاس سے ان کی شکل تکتے تھے
تھرتھراتے لبوں سے دے کے دعا
عمر بھر کے لیے وداع کیا
مگر اب تک یہ سوچ ہے دل میں
ان سے اک بار اور مل آئیں

مجبوری

وصال و ہجر کی باتیں پرانے قصے ہیں
شکستِ دل تو بڑی عام سی کہانی ہے
نئے زمانے میں جذباتیت سے کام نہ لو
وہ اک ذرا سی شرارت ہی کیا محبت تھی؟
مجھے بتاؤ تو، سچ مچ یقین ہے تم کو!
پھر آپ مل نہ سکے آخری پیام کے بعد

ہمیں بھی صبر سا آ ہی گیا تھا رو رو کے
مگر جو گزری ہے دل پر، وہ آپ کیا جانیں
سنا ہے، پچھلے دنوں، دوستوں کی محفل میں
چلے تھے آپ کہ تردیدِ جرمِ عشق کریں
مگر جھجک سے گئے کچھ ہمارے نام کے بعد

وہ لڑکی

جن پر میرا دل دھڑکا تھا، وہ سب باتیں دہراتے ہو
وہ جانے کیسی لڑکی ہے تم اب جس کے گھر جاتے ہو

مجھ سے کہتے تھے : بن کاجل اچھی لگتی ہیں مری آنکھیں
تم اب جس کے گھر جاتے ہو، کیسی ہوں گی اس کی آنکھیں
تنہائی میں چپکے چپکے نازک سپنے بُنتی ہوگی
تم اب جس کے گھر جاتے ہو، کیا وہ مجھ سے اچھی ہوگی؟
مجھ کو تم سے کیا دلچسپی، میں اک اک کو سمجھاتی ہوں
یاد بہت آتے ہو جب تم، یوں جھوٹوں دل بہلاتی ہوں

اِک دن ایسا بھی آئے گا، مجھ کو پاس نہیں پاؤ گے!
یاد آؤں گی، یاد آؤں گی! پچھتاؤ گے، پچھتاؤ گے!
لیکن میں دکھ درد سمیٹے، ان گلیوں میں کھو جاؤں گی
لاکھ مجھے ڈھونڈو گے لیکن ہاتھ تمھارے کیا آؤں گی

بیت چلی اُداس شام

بیت چلی اُداس شام
بجھ گئی بادلوں کی آگ
پھیل گئیں سیاہیاں
ایک اندھیرے موڑ سے
روشنیاں ، گریز پا

کوئی نہ میری آرزو
کوئی نہ دل میں اشتیاق
کیوں مری خالی آنکھ میں
رنگ بھرے گا کوئی خواب

شام کا تارا دیکھ کر
میں نہ کسی کا لوں گی نام
میرے لیے کوئی نہیں
اجنبی ہیں یہ خوشبوئیں
اجنبی ہیں دھنک کے رنگ
شام کا تارا اجنبی
اجنبی ہے ہوا کا رنگ
سب کسی اور کے لیے

پچھلے پہر تک

چار سو موت کا سکوت محیط
کوئی آہٹ، کوئی گونج، نہ چاپ
آسماں دم بخود، زمیں خاموش
اپنی کم مائیگی سے بے دل چاند
ہر ستارہ ہے دیدۂ بے نور
برف سا سرد اور جامد وقت
زندگی جیسے پتھروں کا ڈھیر
اے مرے دل! تجھے کہاں لے جاؤں؟
شب کا سیسہ پگھلنے والا ہے
مان بھی جا — وہ اب نہ آئے گا

بیٹھا ہے میرے سامنے وہ

بیٹھا ہے میرے سامنے وہ
جانے کسی سوچ میں پڑا ہے
اچھی آنکھیں ملی ہیں اس کو
وحشت کرنا بھی آگیا ہے
بچھ جاؤں میں اس کے راستے میں
پھر بھی کیا اس سے فائدہ ہے
ہم دونوں ہی یہ تو جانتے ہیں
وہ میرے لیے نہیں بنا ہے
میرے لیے اس کے ہاتھ کافی
اس کے لیے سارا فلسفہ ہے

میری نظروں سے ہے پریشاں
خود اپنی کشش سے ہی خفا ہے
سب بات سمجھ رہا ہے لیکن
گم سم سا مجھ کو دیکھتا ہے
جیسے میلے میں کوئی بچہ
اپنی ماں سے بچھڑ گیا ہے
اس کے سینے میں چھپ کے روؤں
میرا دل تو یہ چاہتا ہے
کیسا خوش رنگ پھول ہے وہ
جو اس کے لبوں پہ کھل رہا ہے

یارب وہ مجھے کبھی نہ بھولے
میری تجھ سے یہی دعا ہے

لوری

ننھّے ننھّے ہاتھوں سے
مانگتے ہو کیا مجھ سے ؟
نیم وا دہن ، جیسے
کوئی ادھ کھِلا غنچہ
مجھ میں ڈھونڈتا کیا ہے
جسم میں تمھارے کیوں
میری روح کھنچ آئی ؟
مجھ سے کیسا رشتہ ہے !

کچھ بھی ہو مگر مجھ کو
زندگی سے پیارے ہو
تم تو وہ مسرت ہو
جس کو میں ترستی تھی
میں نے جو نہیں پائی
تم میں آگیا شاید
حسن میری حسرت کا

آرزو کی رعنائی
تم کو دیکھ کر وہ بھی
آنکھ میں لیے حیرت
فخر سے، مسرت سے
مسکرانے لگتا ہے

تم ہیں لوگ پائیں گے
ثبت کوکھ پر میری
اس کے پیار کا بوسہ
آج دیکھ لے. دُنیا
کتنا خوبصورت ہے
میرے درد کا غنچہ
میری آنکھ کا آنسُو
میرے خون کا قطرہ

تو جو مسکرائے گا
سب دکھن بھُلا دوں گی
زیست کی خلش لے کر
میں بھی مُسکرا دوں گی

گڑیا

چھوٹی سی ہے
اسی لیے اچھی لگتی ہے
بٹوا جیسے ہونٹ ہیں اس کے
اور رخساروں پر سُرخی ہے
نیلی آنکھیں کھولے، بیٹھی تاک رہی ہے
جب جی چاہے کھیلو اس سے

الماری میں بند کر دو

یا

طاق پہ رکھو اسے سجا کر

اس کے ننھے لبوں پہ کوئی پیاس نہیں ہے

نیلی آنکھوں کی حیرت سے مت گھبراؤ

اسے لٹا دو

پھر یہ جیسے سو جائے گی

لمبے سفر کی منزل

شام کے پھیلتے دھندلکے ہیں
جانے کب سے کھڑے ہوئے ہیں ہم

سارے دن کی تھکن سے پژمردہ
کاوشِ بے حصول پر نادم
گرد آلود رُخ — جھکی نظریں
سرنگوں — باادب — بصد تکریم

پشت پر زندگی کا بوجھ لیے
منتظر اپنے اپنے گاہک کے

چارسُو ہیں سنّاٹے

چار سُو ہیں سنّاٹے
ہر طرف ہے ویرانی
ذوقِ وصل کی اب تو
خاک بھی نہیں باقی
رہ گئی تھی اک خواہش
میں نہ اُس کو یاد آؤں
ایک تھی خلش دل میں
اُس کو دکھ نہ ہو کوئی

اے عزیز اندیشے
آ، گلے سے لپٹا لوں
اس کے ساتھ تھا کوئی!
مسکرا رہا تھا وہ!

جب نیند بھری ہو آنکھوں میں

جب نیند بھری ہو آنکھوں میں، جب رات گئے بیلا مہکے
اور چار طرف ہو سناٹا، چپ چاپ گزرتے ہوں لمحے
ایسے میں ہوا کا جھونکا بھی پتّوں میں جو آہٹ کرتا ہے،
مجھ کو تو گماں یہ ہوتا ہے، جیسے وہ ہنسا آہستہ سے
آدھی سوئی، آدھی جاگی، میں اپنا درد دباتی ہوں
اور اس آنسو کو چھپاتی ہوں، جس کو مٹی میں ملنا ہے
ایسے میں ہوا کا جھونکا بھی پتّوں میں جو آہٹ کرتا ہے،
مجھ کو تو گمان یہ ہوتا ہے، جیسے وہ ہنسا آہستہ سے

آنکھیں موندوں، آنکھیں کھولوں، آنکھیں موندوں، وہ پاس آئے
وہ پاس آئے اور مجھ سے کہے ''تم مجھ کو اچھی لگتی ہو''
آدھی سوئی، آدھی جاگی، پھر میں چپکے سے ہنستی ہوں
پھر میں چپکے سے ہنستی ہوں، دھیرے دھیرے سو جاتی ہوں

قطرہ قطرہ

قطرہ قطرہ دل میں آنسو گرتے ہیں

اک آنسو اس شخص کا، جو بے گانہ ہے
اک آنسو اس نام کا، جو ہم لے نہ سکے
اک آنسو اس دعا کا، جو پوری نہ ہوئی
ایک فضول سی بات کہ جو بے سود کہی
(آنسو میرا خواب، میں جس سے گھبراؤں
آنسو میری مراد، جسے میں بہلاؤں)

اک آنسو اس چہرے کا، جو یاد رہے
آنکھوں کے رستے جو دل میں اُتر جائے
اک آنسو اس ٹھہرے ٹھہرے لہجے کا
اک آنسو اس وہم کا، ذہن میں جو آیا
اک آنسو اس جھوٹ کا، جو اوروں سے کہا
پھیکی ہنسی سے کیسے قصہ ختم کیا
لمحہ لمحہ رات گزرتی جاتی ہے

قطرہ قطرہ دل میں آنسو گرتے ہیں

مہمان

اس کو اک دن تو جانا تھا
مجھ سے کیا رشتہ، کیا ناتا
بس پل دو پل کو ٹھہرا تھا
پل دو پل ہنستے گزرا تھا

میں تب بھی سوچا کرتی تھی
یہ ساتھ بڑا الجھاتی ہے
جذبے کی تھوڑی سی گرمی
جلتے چھالے بن جاتی ہے

اس بات کو بیتے سال ہوئے
پھر دُنیا ہے پہلے جیسی
سب رنگ وہی، رعنائی وہی
سب حسن وہی، پر کیا کیجے
سچّے تھے مرے سب اندیشے
اب بھی، یوں ہی، بیٹھے بیٹھے
یاد آئے تو دل دکھ جاتا ہے

کچھ لوگ

دنیا کی لمبی راہوں پر ہم یوں تو چلتے جاتے ہیں
کچھ ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو یاد ہمیشہ آتے ہیں

وہ راہ بدلتے ہیں اپنی اور مڑ کر ہاتھ ہلاتے ہیں
لیکن وہ دلوں کو، یادوں کی خوشبو بن کر مہکاتے ہیں

ایسے ہی سفر کرتے کرتے، اک شخص ملا ہم کو بھی کہیں
دُنیا میں اچھے لوگ بہت، لیکن اس کی سی بات نہیں

وہ دھیمے لہجے والا تھا اور وہ دھیرے سے ہنستا تھا
جتنے بھی لوگ ملے ہم کو، سچ جانو، سب سے اچھا تھا

تھی لاگ نہ اس کے بولوں میں، کی بات نہ کوئی لگاوٹ کی
اس کے فقرے ٹوٹے ٹوٹے، اس کی آنکھیں کھوئی کھوئی

کہہ کر ہی نہ دے جو ہم چاہیں، سوچا ہی کرے بیٹھا بیٹھا
پر دیکھے ایسی نرمی سے، اک بار تو ہو جائے دھوکا

گو ساتھ ہمارا خوب رہا، اس کو نہ ہوئی پہچان بہت
گر بوجھ لے دل کی بات کبھی، ہو جاتا تھا حیران بہت

اور ہم اس کی حیرانی پہ شرمندہ ہو کر رہ جاتے
کچھ اور ہمارا مطلب تھا — پھر دیر تلک یہ سمجھاتے

اب چہرہ اس کا اجلا ہو، یا آنکھیں اس کی ہوں گہری
یا اس کے پیارے ہونٹوں کی ہر بات لگے ٹھٹری ٹھٹری

کچھ لوگ جو اچھے ہوتے ہیں اور راہوں میں مل جاتے ہیں
ہیں ان کو اپنے کام بہت، کب اپنا وقت گنواتے ہیں
کب پیاسے پیاسے رہتے ہیں، کب جی کو روگ لگاتے ہیں

دل کی بات

اپنے دل کی بات کو ہم نے رات بہت سمجھایا
پہلو بدلے بستر میں اور دل کا درد دبایا
اب حیران کھڑے تکتے ہیں اس کی پیاری صورت
اپنی بات گنوا بیٹھے اور کچھ بھی ہاتھ نہ آیا
جس کے دل میں درد نہیں، ہم اس سے کیا کہہ بیٹھے
کیا چمکیلا موتی تھا، مٹی میں جسے ملایا
ہنگاموں میں اسے بھلایا لیکن جب بھی لوٹے
بوجھل قدم ہوئے اور انجانے میں دل بھر آیا

تہنیت

کتنے بخت والے ہو

زندگی میں جو چاہا
تم نے پالیا آخر
عزم اور ہمّت سے
فہم سے ذکاوت سے
ہے تمہارے دامن میں
پھول کامرانی کا
اور تمہارے ماتھے پر
فخر کا ستارہ ہے
اب تمہارے چہرے پر

ایسی شادمانی ہے
کوئی کہہ نہیں سکتا
درد سے بھی واقف ہو
اور تمھارے پاؤں میں
دیر سے کھٹکتا ہے
آرزو کا اک کانٹا
جس سے خون رِستا ہے
لالہ زار راہوں پر
اس لہو کی سرخی کی
کانپتی لکیریں ہیں
ان لہو کے دھبّوں میں
ناتمام، مبہم سی،
ایک بات لکھی ہے

اپنے دوست کے لیے

یہ زرد موسم کے خشک پتّے
ہوا جنھیں لے گئی اڑا کر
اگر کبھی ان کو دیکھ پاؤ
تو سوچ لینا
کہ ان میں ہر برگ کی نمو میں
زیاں گیا عرق، شاخِ گُل کا
کبھی یہ سرسبز کونپلیں تھے
کبھی یہ شاداب بھی رہے ہیں

کھلے ہوئے ہونٹ کی طرح نرم اور شگفتہ!
بہت دنوں تک
یہ سبز پتے
ہوا کے ریلوں میں بے بسی سے تڑپ چکے ہیں
مگر یہ اب خشک ہو رہے ہیں
مگر یہ اب خشک ہو چکے ہیں
اگر کبھی اس طرف سے گزرو
تو دیکھ لینا
برہنہ شاخیں ہوا کے دل میں گڑی ہوئی ہیں
یہ اب تمھارے لیے
نہیں ہیں

اس کا دل تو اچھا دل تھا

ایک ہے ایسی لڑکی جس سے تم نے ہنس کر بات نہ کی
کبھی نہ دیکھا، چمکے اس کی آنکھوں میں کیسے موتی
کبھی نہ سوچا، تم سے ایسی باتیں وہ کیوں کہتی ہے
کبھی نہ سمجھا، ملتے ہو تو گھبرائی کیوں رہتی ہے
کیوں اس کے رخسار کی رنگت سرسوں ایسی زرد ہوئی
تم سے ملنے سے پہلے، وہ ایسی تنہا کبھی نہ تھی
مل کر آنکھ بہلنے سے، وہ کب تک آنسو روکے گی
اس کے ہونٹوں کی لرزش بھی تم نے کبھی نہیں دیکھی

کیوں ایسی سنسان سڑک پر اسے اکیلا چھوڑ دیا
اس کا دل تو اچھا دل تھا جس کو تم نے توڑ دیا
وہ کچھ نادم، وہ کچھ حیراں، رستہ ڈھونڈا کرتی تھی
ڈھلتی دھوپ میں اپنا بے کل سایا دیکھ کے ہنستی تھی
آخر سورج ڈوب گیا اور راہ میں اس کو شام ہوئی

مُدّت سے ہے یہ عالم دل کا!

مدت سے یہ عالم دل کا، ہنسنا بھی نہیں، رونا بھی نہیں
ماضی بھی کبھی دل میں نہ چھپا، آیندہ کا سوچا بھی نہیں

وہ میرے ہونٹ پہ لکھا ہے جو حرف مکمل ہو نہ سکا
وہ میری آنکھ میں بستا ہے جو خواب کبھی دیکھا بھی نہیں

شامل ہے ہوا کی آہوں میں وہ گیت، جو لب تک آ نہ سکا
میری ہر نظم کا عنواں ہے جو شعر ابھی لکھا بھی نہیں

چلتے چلتے کچھ تھم جانا، پھر بوجھل قدموں سے چلنا
یہ کیسی کسک سی باقی ہے، جب پاؤں میں وہ کانٹا بھی نہیں

دھندلائی ہوئی شاموں میں کوئی پرچھائیں سی پھرتی رہتی ہے
میں آہٹ سنتی ہوں جس کی، وہ وہم نہیں، سایا بھی نہیں

تزئینِ لب و گیسو کیسی، پندار کا شیشہ ٹوٹ گیا
تھی جس کے لیے سب آرائش، اس نے تو ہمیں دیکھا بھی نہیں

جب سست قدم شب بیت چلی، ہولے ہولے نیند آ ہی گئی
سب افسوں وقت جگاتا ہے اور وقت کبھی ٹھہرا بھی نہیں

اک حرفِ مدّعا

اک حرف تھا لبوں پہ کھٹکتا تھا پھانس سا
اک نام تھا زبان کا چھالا بنا ہوا
لو میں زباں تراش کے خاموش ہوگئی
لو اب تو میری آنکھ میں آنسو نہیں کوئی
بس ایک میرا گنگ — مرا حرفِ مُدّعا

کتابخانہ / محمد ہارون موسیٰ